

ڈاکٹر آفتاب اقبال (فرزند اکبر علامہ اقبال)
ترجمہ: عبداللہ شاہ ہاشمی

اقبال — ایک عظیم مفکر و شاعر

صدر محترم، معزز خواہن و حضرات! مجھے کراچی کونسل کی طرف سے آج کے اجلاس کے افتتاح کی جوبوت دی گئی ہے میں اسے اعزاز سمجھتا ہوں اور کونسل کا محدود درجہ مہمان ہوں کہ اس نے اس موقع پر میرا انتخاب کر کے میری عزت افزائی کی۔ آج کے اجتماع کا مقصد اس نابغہ روزگار شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنا ہے جسے بجا طور پر پاکستان کا روحانی باپ کہا جاسکتا ہے۔ اقبال کو اس دیرخانی سے گزرتے سے تیس برس بیت چکے ہیں لیکن روحانی طور پر وہ ہمیں اتنا ہی قریب محسوس ہوتے ہیں جتنا اپنی زندگی میں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم ان کے قریب تر آگئے ہیں۔ آج سے نصف صدی قبل انھوں نے اپنے شاہکار تخیل کی سطح پر جو کچھ سوچا اور محسوس کیا وہ آج ہمارے انفرادی اور قومی تجربے کا حصہ بن چکا ہے۔ ان کی شخصیت اس عظیم پہاڑ کی طرح ہے جسے دامن کی پہاڑیوں نے دھنلا رکھا ہو مگر قریب پہنچ کر آگے بڑھیں تو بلندی کے ساتھ ساتھ ان کی حقیقی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔ برصغیر مندرپاک کی آنے والی مسلمان نسلیں خصوصی طور پر اور باقی دنیا عمومی طور پر اقبال کو ہم سے زیادہ واضح طور پر سمجھنے میں کامیاب ہوئیں گی۔ جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے :

من نواستے شاعر فر و استم

اقبال جیسی غیر معمولی شخصیت کی عبقری صلاحیتوں کی دریافت کے لیے ہمیں ایک طویل مدت تک صبر آزما تحقیقی مطالعے کی ضرورت ہے جس سے ان کی شخصیت پر انفرادی طور پر والے اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی حالات و ماحول اور عوام کا اندازہ ہو سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ وقت سے بہت پہلے پیدا ہوئے اور بام شہرت پہنچ کر ایسے وقت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے جب ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ حالانکہ یہ ایسا نازک وقت تھا جب عوام الناس کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے ان جیسے صاحب علم و دانش، صاحب تخیل، اور صاحب کردار رہنما کی ضرورت تھی۔ انھوں نے اپنی بے پناہ جرأت اور جسارت کی بنا پر مذہب، سیاست اور معاشرتی اصلاحات کے ضمن میں نہ صرف اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا بلکہ ایسے بھی خواہن کی مخالفت بھی مول لی جن سے وہ اخلاقی اتحاد کی توقع رکھتے تھے۔ یورپ میں تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۳۱ء میں، میں لاہور واپس پہنچا تو میں نے انھیں مین قوتوں

یعنی برطانوی سامراج، ہندو فرقہ پرستی اور پنجاب یونیورسٹی پارٹی سے برسرِ پیکار پایا۔ یونیورسٹی پارٹی، ہندو اور مسلمان جاگیرداروں پر مشتمل تھی اس کی بنیاد اُن کے ایک پرانے دوست میاں نور فضل حسین مرحوم نے رکھی۔ اس معاملے میں انھیں انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ مسلم لیگ (پاکستان) کے حصول کے لیے تقسیم ہند کی حامی تھی۔ یونینسٹوں کا مقصد مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر کے مسلم لیگ کو شکست دینا تھا۔ علامہ اقبال نے پوری قوت سے یونینسٹوں کے خلاف جنگ کی۔ آخر کار اسے ۱۹۴۷ء میں قائد اعظم کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔

اس دوران میں آپ کو اپنے سیاسی دشمنوں کے ہاتھوں اذیت اٹھانا پڑی۔ انھوں نے عام لوگوں میں اقبال کے اثرات کو زائل کرنے کی پوری کوشش کی مگر منہ کی کھائی۔ جب مرحوم دین محمد کو یونینسٹ پارٹی نے ہائی کورٹ کی ججی دے کر مسلم لیگ سے الگ کر لیا تو پنجاب میں علامہ اقبال اور ملک برکت علی دو ہی افراد مسلم لیگ کے لیے لانے والے رہ گئے۔ یہاں علامہ مرحوم کی شاعری کے کچھ نمونے پیش کرتا ہوں جو اس مشکل وقت میں لکھے گئے۔ انھوں نے بڑے تحمل اور وقار کے ساتھ اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے:

یار بے جہان گزراں خوب ہے لیکن	کیوں خوار ہیں مردانِ صفائش و ہنرمند
تو برگ گیا ہے ندی اہلِ خرد را	او کشتِ گلِ دلالہ بہ بخشد بخرے چند
احکامِ ترے حق میں مگر اپنے مغفّر	تاویل سے قرآن کو بنادیتے ہیں پاژند
مدت سے ہے آوازہ افلاک مرا فکر	کر دے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی	خاکِ جوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
درویشِ خدا مست نہ شرمی ہے نہ غربی	گھر میرا نہ دلی، نہ صفا ہاں، نہ سمرقند
کتابوں و ہی بات سمجھتا ہوں جسے حق	نے ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش	میں نہ ہر بلا ہل کو کبھی کہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندہ حق میں حق تلاش	خاشاک کے تو دے کو کسے کو و دماوند
ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش	میں بندہ مومن ہوں، نہیں دادِ اسپند
پڑے سوز و نظر باز و نکوین و کم آزار	آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے محرم	کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک کہ پروائے فشیمن نہیں رشتہ
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
کتنا ہے زمانے سے یہ درویش جوانِ مرد
ہنگامے ہیں میرے تیری طاقت سے نیاہ
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا !
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر !

مخالفت کے زبردست طوفان ان سے ٹکراتے رہے لیکن وہ چٹان کی طرح کھڑے رہے۔ ان کے بندو
اور مسلمان دشمنوں نے مشترکہ کوششیں کیں کہ ان کے لیے اور ان کے خاندان کے لیے انتہائی اقتصادی مشکلات
پیدا کریں لیکن علامہ اقبال اپنے سیاسی موقف سے ایک انرج پیچھے نہ ہٹے۔ ان کی زندگی ایک ہمہ مسلسل
تھی اور وہ اصولوں کی خاطر ہر چیز حتیٰ کہ بچوں کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ تاہم ان کے دل میں کسی کے خلاف
نفرت اور بغض و کینے کا جذبہ نہ تھا۔ میں نے ان جیسا عمیق محبت و نفرت رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا
درج ذیل اشعار میں وہ ”مرد بزرگ“ کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ یہ اشعار ان کی شخصیت پر پوری
طرح صادق آتے ہیں :

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پر شفیق
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق !
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

مثلِ خورشید سحرِ فکر کی تابانی میں بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا اس کے احوال سے محروم نہیں پیرانِ طریق جب آپ نے ۱۹۳۸ء میں وفات پائی تو سرسکند حیات کی سرگردگی میں یونیورسٹی پارٹی نے اس بات کی مخالفت کی کہ انھیں شاہی مسجد کے احاطے میں، جہاں بعد میں ان کا مزار بنا، دفن کیا جائے۔ برطانوی صوبائی حکومت شاعرِ مشرق کے مرتبے سے واقف تھی۔ ایک صاحبِ کردار انسان کی حیثیت سے وہ اقبال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ حکومت کو اس معاملے میں مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ تھا اس لیے اس نے اپنی ذمہ داری پر مسجد کے احاطے میں علامہ کی تدوین کی اجازت دے دی حالانکہ اس کے لیے مرکزی حکومت سے پیشگی اجازت ضروری ہوتی تھی۔ آج جبکہ بادشاہ، شہزادے، کسان، سیاستدان، ملکوں کے سربراہ اور ڈپلومیٹس ان کے مقبرے پر پھیلے کی چادر چڑھانے جاتے ہیں تو دنیا ان کے سیاسی مخالفین کو مکمل طور پر فراموش کر چکی ہے جن کا مقصد وحید دولت اور قوت کا حصول تھا۔ اقبال کو تاریخ میں ایک نہایت دیانت دار، مخلص، بے غرض اور عوام کے دیانت دار خادم کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

دنیا کے ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے ان کا امتیاز بلاشبہ ناقابلِ تردید ہے لیکن جس چیز نے انسانی تاریخ اور خصوصاً اسلامی نظریات کی تاریخ میں ابدیت بخشی ہے وہ محض ان کی شاعری نہ تھی۔ شاعری تو ان کی نظر میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی ان کا وسیع علمی تبصرہ، غیر معمولی ذہانت، خیالات کی بلند پروازی، تفکراتِ تحیل، فی الحقیقت ان تمام چیزوں نے ان کی شہرت کو چارپاند لگانے میں اپنا حصہ ادا کیا۔ پھر حضورِ پاک کی ذاتِ اقدس سے شدید لگاؤ اور حقیقی محبت، انتہائی خلوص اور جوش و جذبہ جس سے انھوں نے اپنے عقائد و نظریات کا پرچار کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی و معاشرتی حقوق کے لیے دلیرانہ جنگ اور اسلام کو جدید نظریات کے رنگ میں پیش کرنے کی بے مثال خدمت نے انھیں برصغیر کی تاریخ خصوصاً عالمِ اسلام میں بلند مقام بخشا۔ مغربی دنیا کے لیے اسلام کو قابلِ فہم نظریے کے طور پر پیش کرنا ضروری کام تھا جسے ایک ایسا شخص ہی کر سکتا تھا جو اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ مغربی فلسفہ اور جدید سائنس سے واقف ہو۔ علامہ اقبال کے کلام سے باسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ طبعیات، مابعد الطبیعیات، بیالوجی اور معاشرتی سائنس کو جدید نظریات کا اپنا ٹوڈیٹ مطالعہ رکھتے تھے۔ انھوں نے سائنس، فلسفہ اور ٹریچر کے لیے جدید ترین نظریات کا مطالعہ اس طرح کیا تھا کہ وہ مذہبی اور فلسفیانہ مسائل

میں دلائل دیتے وقت ان کا بخوبی استعمال کر سکتے تھے۔ وہ ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کا بغور مطالعہ کر کے اُسے سمجھا تھا۔ انہوں نے اس کے سائنسی اور فلسفیانہ پہلوؤں کا مطالعہ بھی کیا تھا (خصوصاً زمان و مکان کے بارے میں آئن سٹائن کے نظریہ کے مذہبی اطلاق کے بارے میں)۔ اس موقع پر میں اشتراکیت کے بارے میں اقبال کے نقطہ نظر کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان کے کچھ مداح اور نقاد اس اہم مسئلے پر بڑے شدید مد سے اقبال کو مسلم کمیونسٹ اور مغربی جمہوریت کے شارح کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اس دلیل راہ اور غیر ذمہ دارانہ دعوے سے بڑھ چھوٹا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اقبال یقیناً دولت کی منصفانہ تقسیم کے قائل تھے لیکن سراسر اسلام کے معاشرتی اور معاشی طریقہ کار کے تحت۔ جب وہ نجی ملکیت پر پابندی نافذ کرنے پر یقین رکھتے تھے اور ضرورت پڑنے پر اُسے یکسر ختم کر دینے کی حد تک تیار تھے۔ وہ ذرائع پیداوار کو قومیا نے کے دشمن تھے۔ ان کے نقطہ نظر میں اسلام میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ضرورت پڑنے پر مسلم حکومت کو معاشی تقاضوں کے پیش نظر انفرادی ملکیت کو ختم کرنے سے روکے۔ محض نجی ملکیت کا خاتمہ اشتعالی انداز فکر میں قومی ملکیت نہیں بناتا، جیسا کہ روس میں پہلے ہوا لیکن موجودہ عہد میں قدرے آزادی دی گئی ہے۔ کمیونزم تمام ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں لینا ہے، نجی ملکیت کو کلی طور پر ختم کرتا ہے، مذہب پر پوری پابندی لگاتا ہے اور فرد کی بریں و اشتیاق کے بعد اُسے ریاست پر کلی انحصار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ علامہ اقبال کے خیال میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں فرد کے جسم کی پرورش کرتے ہیں لیکن اس کی روح کو مفلس بناتے ہیں۔ قدرتی طور پر اسلام ایسے اشتراکی فلسفہ صحیبات کا مخالف ہے جو خدا کے وجود کا منکر ہے اگرچہ اُسے اس کے معاشی طریق کار سے ہمدردی ہے۔ اقبال کے نقطہ نظر میں اسلام کا معاشی نظام کمیونزم کے معاشی نظام سے بہت برتر ہے۔ یہ ایک دن کمیونزم کو بحیثیت معاشی نظام ختم کر دے گا۔ اسلام میں ایک ماورائے ہستی پر ایمان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ انسان کے لیے ایسے عمدہ مواقع فراہم کرتا ہے جس سے انسان کی خودی کی بہترین نشوونما ہو اور اس کی جسمانی بہبود بھی۔ جاویہ نامہ کے درج ذیل اشعار کمیونزم اور سرمایہ داری سے متعلق شاعر کا نقطہ نظر واضح کرتے ہیں :

صاحب سرمایہ از نسل جلیل یعنی آل پیغمبر بلے جبرئیل
زائد حق و باطل او مضمر است وقلب او دین و اخش کا فر است

غریباں گم کردہ اندر افلاک را در شکم جویند جان پاک را
 رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
 دین آں پیغمبر حق ناشناس بر مساوات شکم دارد اساس
 تا اخوت را مقام اندر دل است
 بیخ او در دل نہ در آب و گل است

ہم ملوکیت بدن را فرہی است سینہ بے نور او از دل تہی است
 مثل زنبورے کہ بر گل سے چرو برگ را بگزارد و شہدش برد
 ہر دو را جان ناصبور و ناشکیب ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب
 زندگی ایں را خروج آں را خراج در میان ایں دو سنگ آدم زجاج!

روس اور چین میں انقلاب سے بہت پہلے اقبال ایک انقلابی تھے۔ اگر وہ کسی ریاست کے سربراہ ہوتے تو وہ کلی اختیارات کو بروئے کار لاتے، ایک مضبوط فوج کے ذریعے موجود سرمایہ داری اور شہنشاہیت دونوں کے خلاف جنگ کرتے اور ان کے بجائے اسلامی نظام معیشت قائم کرتے۔ یہ نظام متذکرہ بلا نظاموں کی خامیوں سے مبرا ہے اور ان کی خوبیوں کا جامع ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسلام کا نظام وراثت سرمایہ داری کی بجائے اشتراکیت کے خلاف فرد کو نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ چند پابندیوں کا خیال رکھا جائے۔ اہل روس مارکسزم اور لینن ازم پر نظر ثانی کرنے کے بعد رفتہ رفتہ خدا کو روس میں واپس آنے کی اجازت دے رہے ہیں اور ہمارے قریب آ رہے ہیں کیونکہ اسلام کا معاشی اور سیاسی نظام ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اور ساتھ خدا کے وجود پر ایمان کی دولت بھی بخشا ہے جو انسانی معاشرے کی بقا اور تحفظ کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ آج یہ بات بعید از قیاس لوہنا ممکن نظر آئے گی لیکن پورا امکان ہے کہ سوویٹ روس اور چین ایک دن ترکی کی طرح اسلام کی عالمی برادری میں شامل ہو جائیں گے:

ہے عیاں شورش تار تار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
 اقبال اس جذبہ کے ماح میں جس نے روس اور چین میں انقلاب پیدا کیا اور غالباً وہ برصغیر کے سب سے بڑے جدید شاعر تھے جنھوں نے اپنے کلام میں بار بار اشتراکیت کے حوالے دیے۔ لینن پران کی

مشہور نظم آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ انھوں نے لینن کی زبان سے ایسے خیالات پیش کیے جو ہٹلر ایت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ نظم کسی مسلمان کی طرف سے مغربی سرمایہ داری پر نہایت شدید حملہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لینن، ایک دہریہ تھا مگر خدا کے حضور پہنچ کر یوں مخاطب ہوتا ہے :

اے نفس و آفاق میں پیدا تر سے آیات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
محرم نہیں فطرت کے سرورِ ازلی سے
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثبات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود؟
مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفائیں
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
گالوں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
مغربی جمہوریت کے متعلق انھوں نے دلچسپ انداز میں اظہارِ خیال کیا۔ ان کے دو شعر ویسے
ہر شخص واقف ہوگا:

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دود خرد فکرِ انسانے نمی آید
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو انہیں کرتے
آپ کہا کرتے تھے: ”جمہوریت ایک ایسا کوٹ ہے جسے تمام یورپین ممالک نے آزمائش

کے بعد آثار پھینکنا لیکن تنویر الیشانی ممالک اُسے پہننے کے لیے بے تابی کا مظاہرہ کر رہے ہیں خواہ یہ کتنا بعد کیوں نہ معلوم ہو۔ ہر ملک کا اپنا آئینی لبادہ ہونا چاہیے جو اس کے اپنے ناپ کے مطابق ہو، جمہوریت ایک عوامی طرز حکومت ہے جو عوام کے ذریعے عوام کے لیے ہی ہوتی ہے۔ یہ سب سے پہلے یونان کی شہری ریاستوں میں وجود میں آئی۔ کچھ عرصہ وہاں پنپی اور پھر ناکام ہو گئی۔ کیونکہ وہ مسلسل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ جس کی وجہ سے وہ غیر ملکی جارحیت کے دفاع کے ناقابل ہو گئے۔ نتیجتاً وہ اندرونی اور بیرونی دونوں جانب سے مغلوب ہو گئے۔ یہ رومن پر ملک میں ظہور پذیر ہوئی اور جلد ہی شاہی مطلق العنانیت میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد تقریباً پندرہ سو سال تک یورپ میں جمہوریت کا وجود نہ رہا حتیٰ کہ انگلستان میں لوگوں نے میگنا کارٹا کے ذریعے بادشاہ جان سے سیاسی حقوق حاصل کر لیے لیکن حقیقتاً جزائر برطانیہ میں جمہوریت کبھی جڑیں نہ پکڑ سکی۔

۱۷۷۷ء میں انقلابِ فرانس آیا۔ خود اختیاری کی صورت پیدا ہوئی اور پھر پولین لونا پارٹ نے اختیارات سنبھال لیے اور آج جبریل ڈیگال بحیثیت صدر آمرانہ اختیار رکھتا ہے۔ ہسپانیہ میں ریپبلکن حکومت کو فرانکو کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اٹلی میں موسولینی نے عنانِ حکومت سنبھال لی۔ چین میں اُسے آزمایا گیا لیکن وسیع و عریض ملک ہونے کی وجہ سے وہاں ناکام ہو گئی۔ کوئی شخص سنجیگ سے یہ نہیں سمجھتا کہ ہندوستان یا امریکہ میں قابلِ قریب جمہوریت موجود ہے جہاں بھی جمہوریت آزمائی گئی ناکام ہو گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس قدر تعلیم یافتہ نہ تھے کہ بوش مندی سے اپنے لیڈروں کا انتخاب کر سکیں۔ ان میں اخلاقی کردار کی کمی تھی۔ اگر اخلاقی کردار کی اصطلاح کی تشریح ممکن ہوئی تو کہا جاسکتا تھا کہ ایک طرف دیانت داری، ایمانداری، شائستگی، حُب الوطنی، صبر و تحمل، قوتِ برداشت اور دوسری طرف یہ خوبیاں ایک شخص میں اتنی قوت پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ نفرت، حسد اور خود غرضی اور حق کا مقابلہ کر سکے۔ آخر کار ہر ملک کی ایک حکومت ہوتی ہے جو اس کے لیے موزوں ہوتی ہے اور وہ ملک اسی قابلِ ہوتا ہے اسلام میں جمہوریت ایک روحانی اصول ہے جو بتاتا ہے کہ خدا کی نظر میں تمام مرد اور خواتین برابر ہیں۔ مغربی جمہوریت انتخاب کا ایک سیاسی طریقہ کار ہے جو ووٹر کی خوبیوں کی بجائے سروں کو گنتا ہے۔

کلامِ اقبال کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اس کا پیغام روشنی کا ایک مینار ہے۔ ایک عظیم شاعر کی

قوم کے لیے خدا کا خاص عطیہ ہوتا ہے اور ہمیں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس اقبال کی شاعری کا سرمایہ موجود ہے جس میں نہ صرف پیغام ہے بلکہ اس میں ایک متحرک، نظریہ ہیات بھی ہے اس کی بدولت ہم اپنے قومی وطن میں اپنی تہذیب اور روایات کے مطابق باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے عاشق ہونے کی بدولت اقبال کے شاعرانہ تخیل کا سرچشمہ قرآن پاک ہے۔ اس نے ان کے خیالات کو پاکیزگی اور قوت حیات عطا کی اور ان کی زبان کو بے پناہ قوت اور وقار نصیب ہوا۔ ان کی عادت تھی کہ صبح سویرے قرآن پاک کا مطالعہ کرتے اور اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے قرآن پاک کے اوراق ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے تب وہ اپنے پرانے خادم علی بخش کو کہتے کہ اسے دھوپ میں خشک ہونے کو رکھ دے۔

ان کا جہم شاید خاک ہو چکا ہو لیکن ان کا روحانی اثر حیثیت شاعر، مفکر اور معلم انسانیت و قوت اور فضائل بسط سے آزاد، آنے والی مسلمان اور غیر مسلم نسلوں کو اُمید، جرأت اور یقین کی قوت عطا کرتا ہے گا۔ اگر ان کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھا گیا، ان کی قدر کی گئی، ان کو ذہن آشیں کیا گیا تو یہ تاریخ میں تعمیر کردار کے لیے بے پناہ قوت ثابت ہوئی گی۔

اقبال کا نظریہ اخلاق

از پروفیسر سعید احمد رفیق

اقبال کے نظام فکر میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے اخلاقی معیار کو ایک اہم انفعال کی شکل میں پیش کیا ہے لیکن یہ کہیں ایک مقام پر مربوط اور منضبط طور پر موجود نہیں بلکہ اس کے اجزا مختلف مقامات پر منتشر ہیں۔

فاضل مصنف نے نہ صرف اس معیار کی تشریح، اس پر بحث اور اسے حاصل کرنے میں ایمانی اور سلبی اقدار کو پیش کیا ہے بلکہ اقبال کے نظریہ اخلاق کو صراحت سے پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

صفحات ۲۴۴ قیمت ۵۰ روپے سستا ایڈیشن ۳/۵۰ روپے